

## گلزار کی نظموں میں سماجی مسائل کی پیش کش کا تجزیاتی مطالعہ

(پندرہ پانچ پچھتر کے حوالے سے)

### A Depiction of Social Issues in Gulzar's Poetry

(With special reference to "Panddra Panch Pachhattar")

<sup>2</sup>محمد ریاض عابد

<sup>1</sup>عابد سلیم

#### Abstract

Gulzar's poetry is multidimensional. His poetry arises questions that have threats, fears and doubts. It also has messages of hope, encouragement and optimism which do not put man into despair. Not only the poems of "Panddra Panch Pachhattar" but whole of his poetry is full of diverse colours. It not only contains longings of heart but also the pain created by social injustice which not only delimits one to beloved's beauty but also makes one aware of the worldly tragedies. This individuality distinguishes Gulzar from other contemporary poets. Pain and deprivation of the society, poor, suppressed and working class, the cruel master inflicting miseries on the downtrodden who is sometimes a feudal lord and other occasions a capitalist or a cleric who loots in the name of religion. In short the ever changing canvas of the Indian society with all of its cruelty and beauty can be seen in Gulzar's poetry.

**Key words:** Poetry, Hope, Encouragement, Social injustice, Representative of working class, Combination of cruelty and beauty

گلزار کا نام ذہن میں آتے ہی کہیں دور سے کانوں میں ایک مانوس آواز کی بازگشت سنائی دینے لگتی ہے۔ ”میرا کچھ سامان تمہارے پاس پڑا ہے“ اور حساس دلوں پر ایک چوٹ سی لگتی ہے۔ ”ایک سو سالہ چاند کی راتیں، ساون کے کچھ بھیکے دن، گیلی مہندی کی خوشبو، خط میں لپیٹی رات“ اور نہ جانے کیا کیا کچھ یاد آتا ہے کہ دل بے اختیار ہو کر پکار اٹھتا ہے ”تجھ سے ناراض نہیں زندگی حیران ہوں میں“۔ جب یہ حیرت ذرا کم ہوتی ہے تو انسان خیالات کی ریل پر سرپٹ دوڑتا ”جن کے سر ہو عشق کی چھاؤں پاؤں کے نیچے جنت ہوگی۔“ کاورد کرتے ایک ”ملنگ“ کا روپ دھار لیتا ہے جو کسی ”کملی“ کی تلاش میں سرگرداں ”تیری بے قرار یوں میں عشق، عشق ہے ملنگ میرا“ کے راگ الاپتا اپنے من کی دنیا میں ڈوب جانے کے قریب ہوتا ہے کہ اسے گلزار کی شاعری کی دنیا سے بارود کی بو آنے لگتی ہے۔ دل کی کایا کپ ہوتی ہے اور وہ درد کے ٹکڑے میں تبدیل ہو جاتا ہے جسے لاکھ

۱۔ پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور۔

۲۔ پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور۔

ہوتا ہے کہ اسے گلزار کی شاعری کی دنیا سے بارود کی بو آنے لگتی ہے۔ دل کی کایا کلب ہوتی ہے اور وہ درد کے ٹکڑے میں تبدیل ہو جاتا ہے جسے لاکھ دنگ رہ جاتی ہے کہ محبتیں بانٹنے اور محبتیں سکھانے والے اس من چلے شاعر پر کیا گزری کہ یہ دلوں کے ساز چھوڑ کر گولیوں کی کہانی لکھنے بیٹھ گیا۔ اگر گلزار سے اس کی وجہ پوچھی جائے تو شاید وہ فیض کا ہم زبان نظر آئے۔

جا بجا بکھرے ہوئے کوچہ و بازار میں جسم

خاک میں لتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے

لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجئے

اب بھی دلکش ہے تیرا حسن، مگر کیا کیجئے

(نسخہ ہائے وفا۔ ص ۶۲)

ایک اچھا شاعر من کے گیت ہی نہیں سناتا بلکہ وہ تن کے زخموں کی داستان بھی بیان کرتا ہے۔ وہ اپنے باطن کے نہاں خانوں سے امن، شانتی، پیار، خلوص اور محبت کے سچے موتی ہی نہیں رولتا بلکہ ظاہر کی دنیا کے زخم، دکھ، پریشانیوں، درد، ظلم، محکومی اور استحصال کی تصویر کشی کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہے، گلزار کے لیے بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ دل کی دنیا میں اس قدر رکھو جائے کہ گرد و پیش کی خبر ہی نہ رہے۔

گلزار کی شاعری میں جہاں عشق و محبت کے نغمے ملتے ہیں وہاں اس نے ایک اچھا فنکار ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے انسان کی روزمرہ زندگی سے وابستہ مسائل کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔ ہندوستانی سماج کے دکھ، درد، محرومیاں، غریب، محنت کش اور مظلوم عوام، ان افلاس کے مارے نادار انسانوں پر ظلم ڈھانے والے ظالم آقا جو کبھی حکمران ہیں تو کبھی جاگیردار، کبھی بنیا ہے تو کبھی مہاجن، کبھی گلے میں زنا رڈالے، ماتھے پر فشقہ کھینچے رام رام کی مالا جپتا براہمن ہے تو کبھی تسبیح کے دانوں پر ہر دم اپنی بندگی کا حساب رکھنے والا کسی مسجد کا ”ملائے نازیں“۔ پل پل رنگ بدلتا ہندوستانی معاشرہ اپنی تمام تر عنایتوں اور سفاکیوں کے ساتھ گلزار کی شاعری میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ”پندرہ پانچ پچھتر“ کی نظموں میں اس کی بڑی جان دار تصویریں موجود ہیں۔

چکی کیا پیسے، کیا بانٹے

آٹا لے جاتا ہے بنیا

دھنیا اپنی نسلیں لے کر

کھیت کی مینڈھ پہ بیٹھ گئی ہے

بچے تو گھر کی کھیتی ہیں، بندھو رکھ کے

جو کی ٹوکری مل جاتی ہے!

’نین کا چھوڑا باپ کے سنگ دریاں بننا ہے

’روپا، جنگل میں سوکھی لکڑی چنتی ہے

(میگھا کالے، کالے میگھا) ۱

بھوک، افلاس اور جبر کی یہ تصویر صرف ہندوستانی معاشرے تک ہی محدود نہیں، بہ نظر غائر دیکھا جائے تو یہ تصویر دنیا کے ہر اس سماج کی عکاس ہے جہاں غریبوں کا استحصال ہو رہا ہے جب خون پسینہ ایک کر کے ہڈیاں توڑ دینے والی محنت کے بعد بھی دو وقت کی روٹی نہ ملے تو انسان کے پاس امید کا واحد سہارا ہجرت رہ جاتی ہے جو کبھی اپنی مرضی سے کی جاتی ہے تو کبھی مجبوراً اس سرزمین کو خیر باد کہنا پڑتا ہے جہاں کبھی محبوب کی ایڑھی سے ”دھوپ اڑا کرتی تھی“ اور جہاں خود اس کی نال گڑھی تھی۔ اس جبری ہجرت کا یہ انداز ”پندرہ پانچ پچھتر“ کی نظموں میں کچھ اس رنگ میں ظاہر ہوا ہے۔

تیں نے یہ بھی دیکھا ہو گا

شہر کو چھاپے مارنے کی عادت ہے، میگھا

شہر ڈکیتی کرے تو بچے جیب میں بھر کے لے جاتا ہے

بچے بک جاتے ہیں جیسے ریڑھی پر بٹھنے بکتے ہیں

(میگھا کالے، کالے میگھا) ۲

نئی جگہوں پر سکونت کے بعد اپنوں سے جدائی اور (Child Labour) چائلڈ لیبر پر اس قدر جان دار طنز کی مثال نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔ معانی کا ایک جہان ہے جو ان چار لائنوں میں پوشیدہ ہے۔ اسے غالب کے الفاظ میں ”گنجینہ معنی کا طلسم“ کہنا شاہد بے جا نہ ہو گا۔ ”پندرہ پانچ پچھتر“ کی نظموں میں ہندوستانی سماج کا بدلتا ہوا منظر نامہ کچھ اس دل کش انداز میں بیان ہوا ہے کہ دیہات کے ساتھ ساتھ شہروں کی بدلتی ہوئی

صورت حال کا نقشہ بھی قاری کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ ”مدراس“، ”بمبئی“، ”دلی“ اور ”کلکتہ“ کے زیر عنوان نظموں میں گلزار نے ہندوستان کے ان بڑے شہروں کی بدلتی ہوئی سماجی صورت حال کو جس فنی چابک دستی سے پیش کیا ہے وہ ان ہی کا خاصہ ہے۔ اور اس کو وہ ایک ایسا بزرگ شہر قرار دیتا ہے جو کسی بڑے بوڑھے کے پیٹ کی طرح پھیلتا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے اشارہ تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کی طرف ہے۔ بمبئی کو گلزار نے اس کے جغرافیائی تناظر میں ایک ایسی بڑی مچھلی سے تشبیہ دی ہے جو آدھی پانی کے اندر ہے اور آدھی باہر۔ وہ اس پر اسرار شہر کو ایک طلسمی جزیرہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ یہاں آکر سندباد جہازی بھی ورطی حیرت میں پڑ گیا ہو گا۔

کسی گرگٹ کی چڑی سے بنا ہے آسماں اس کا

جو وعدوں کی طرح رنگ بدلتا ہے

”کسینو“ میں رکھے ’رولے (Roulette)‘ کی صورت چلتا رہتا ہے!

کبھی اس شہر کی گردش نہیں رکتی

اسے بیہ رنگ لگے ہیں

کسی ’یکسیل‘ پہ رکھا ہے!

طلسمی شہر کے منظر عجیب ہیں۔

(بمبئی) ۳

سائنس کی ترقی نے جہاں دنیا کو ”گلوبل ولیج“ بنا دیا ہے وہاں عام آدمی بھی اس کے ثمرات سے محروم نہیں ہے۔ گلزار نے اگر ”2085ء۔ نیو کلیئر بم کے بعد“ والی صورت حال کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا ہے تو سائنسی ترقی سے مستفید ہوتا ایک خوانچے والا بھی اس کی باریک بین نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ہاں مگر اس خوانچے والے پر یقین کرنا ذرا مشکل ہے کیونکہ سائنس اپنی تمام تر ترقی کے باوجود انسان کو حیرت اور بے یقینی کے عمیق سمندر میں تو اتار سکتی ہے مگر یقین کی دولت عطا نہیں کر سکتی۔

بڑی ترقی ہوئی ہے کہ، خونچے والا اب ٹیپ

بھر کے دن بھر چلاتا ہے بیٹری پر

گلے کی گولی، مزے کی گولی، حکیمی چورن، ملٹھی چورن!

نسیں پھلا کے، یاسانس کا پورا زور دے کر

گلے سے چلانے کی ضرورت نہیں رہی اب!.....

جو اس پہ تھا، وہ یقین مگر ٹیپ پر نہیں ہے!

(تاثرات) ۴

گلزار نے ”پندرہ پانچ پچھتر“ کی نظموں میں علامتی و استعاراتی انداز میں معاشرتی استحصال کا تذکرہ بڑے موثر پیرائے میں کیا ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جہاں تمام تر حقوق امیروں کے نام محفوظ کر دیئے گئے ہیں اور غریب طبقہ اپنے جائز حقوق سے بھی محروم ہے۔ ”میگھا کالے، کالے میگھا“ اس کی بہترین مثال ہے۔

دور افق سے آتے تو دیکھا تھا ہم نے

اور آکاش پہ چڑھتے بھی دیکھا تھا کوئی لاٹھی اور لنگوٹ

پہن کے ہانک رہا تھا

بیچ ڈگر میں کہاں گئے تم، کالے میگھا؟

کون تھے وہ جو تاگا باندھ کے نتھنی میں

اور کہیں کو ”بیچ“ کے لے گئے

جاتے جاتے، کالے میگھا، تم نے نیچے دیکھا تھا کیا؟

میرا گاؤں ویسے ہی سوکھا ہے اب تک

(میگھا کالے، کالے میگھا) ۵

غریبوں اور لاچاروں کی کھیتی یونہی سوکھی رہ جاتی ہے اور ان کے حصے کا پانی جاگیر دار کے کھیت سیراب کرتا ہے۔ یہ تصویر صرف ہندوستانی سماج کی نہیں بلکہ ہر اس زرعی معاشرے کی ہے جہاں جاگیر داروں کے ہاتھوں چھوٹے زمینداروں، کسانوں اور کھیت مزدوروں کا استحصال ہو رہا ہے اور وہ اپنی فضلیں اوس کی بوندوں یا پھر اپنے ہی آنسوؤں سے سیراب کرنے پر مجبور ہیں۔

یہ برفیں کب پگھلی ہیں

ان کے پاؤں تلے سے پانی بہتا ہے جب

میرے گاؤں تک آتے آتے کچھ لوگ کدالوں سے

کاٹ کے لے جاتے ہیں پانی!

کب تک اوس کی بوندوں سے میں اپنی پیاسی کھیتی سنبھوں؟

میگھا کالے..... کالے میگھا!

(میگھا کالے، کالے میگھا) ۶

ہندوستان میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات بھی ”پندرہ پانچ پچھتر“ کی نظموں کا موثر حوالہ ہیں۔ ان کے بیان میں گلزار نے کبھی تو بہت محتاط انداز اختیار کیا ہے جو ”نوسالہ فراز کا کہنا ہے“ اور ”نگ دھڑنگ زمین پر لیٹے لیٹے میں نے“ میں دیکھا جاسکتا ہے اور کبھی بڑے واضح انداز میں ان فسادات کی خون ریزی کو موضوع سخن بنایا ہے مثلاً ”پنکھے سے اڑتی ہے تو بلب پہ جا بیٹھتی ہے“۔ ایک طنزیہ نظم ہے جس میں ایک چڑیا کے توسط سے ابن آدم پر طنز کیا گیا ہے کہ جس معاشرے میں انسانوں کے گھر محفوظ نہ ہوں وہاں ایک ”چھٹنگی بھر کی چڑیا“ کی وقعت ہی کیا ہے۔

کتنے معصوموں کے گھر دنگوں میں جل کر

بلبے کے ڈھیر ہوئے جاتے ہیں گجرات میں

اور یہ ہے

ایک ٹوٹے ہوئے روزن میں اسے

تینکے سجانے کی پڑی ہے!

(تینکے سے اڑاتی ہے تو بلب پہ جا بیٹھتی ہے) ۷

گلزار نے صرف گجرات میں مسلمانوں کے قتل عام پر اظہارِ افسوس نہیں کیا بلکہ بین الاقوامی سطح پر ہونے والی جنگوں میں کمزور مسلم ریاستوں پر عالمی طاقتوں کے ناجائز قبضے اور قتل و غارت گری پر بھی اس نے پر تاثر نظمیں لکھی ہیں۔ جنگ مذہب کو بنیاد بنا کر لڑی جائے یا اپنے مفادات کی خاطر نسبتے عوام کو تختہ مشق بنایا جائے نقصان کا سامنا ہمیشہ بے قصور عوام کو ہی کرنا پڑتا ہے۔ امریکہ کے ہاتھوں افغانستان اور پھر عراق کی بربادی کی بہت سفاک تصویریں ”پندرہ پانچ پچھتر“ کی نظموں میں دیکھی جاسکتی ہیں جن میں فنی پختگی بھی ہے اور جذبے کی شدت بھی

وہ جورات کو ڈرتی تھی نا

آسمان پر اڑتے تہود بیکھتی تھی

دیوار پکڑ کے کہتی تھی وہ

’روکو، روکو، گھر چلتا ہے‘

ہول نہیں پڑتے اب اس کو

ایک ٹینک اچانک گھر میں گھس آیا تھا

جمعات کے دن، تھوڑی سی، جو بھی ملی، دفنا آئے ہم

اب خانم کی فکر نہ کرنا ابو تم!!

(اب خانم کی فکر نہ کرنا ابو تم) ۸

”دوسو فٹ سے بھی اونچی ایک دھوئیں کی کھمبہ“ میں کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال سے افغانستان میں بے گناہ لوگوں کا جس بے دردی سے قتل عام کیا گیا گلزار نے اس کی بڑی فنکارانہ عکاسی کی ہے۔ جنگ کے ہولناک سائے بچوں تک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں کیونکہ گولی یہ صلاحیت نہیں رکھتی کہ اپنے سامنے آنے والے کی پہچان کر سکے کہ وہ دشمن کا ایک کڑیل جوان ہے یا بے گناہ معصوم بچہ جس کا اس جنگ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

سورج کی اس بیک لائٹ میں

گھر کے کھنڈر

اور دیواروں پر بیٹھے افغانی بچے

امریکا کے ”آرٹ جرنل“ کے کوریج پر

اب بھی زندہ لگتے ہیں

ہلکا ہلکا دھواں نکلتا رہتا ہے!

(سورج کی اس بیک لائٹ میں) ۹

عراق کی تباہی کے مناظر میں ”پندرہ پانچ پچھتر“ کی نظموں کا موثر حوالہ ہیں۔

جنگ کا کوڑا ایک جگہ پر جمع ہوا ہے

پہلی بار ہے۔

اتنے سارے بازو، ٹانگیں، ہاتھ اور سر اور پاؤں

ایسے الگ الگ بکھرے دیکھے ہیں

بچے کچھے پرزے لگتے ہیں

سپینر پارٹر ہیں

(بغداد) ۱۰

گلزار کی شاعری کی کائنات متنوع رنگوں سے آراستہ ہے اس میں پیارے کے اجلے رنگ بھی ہیں اور بارود کے بوجھل رنگ بھی، دوستی، خلوص اور محبت کے لازوال رنگ، عشق لا حاصل کے پاگل کر دینے والے شوخ رنگ، من کی دنیا میں ڈوب کر تن کے زخم چھپائے مسکراتے رہنے کے

رنگ، اس میں گیلی مہندی کے رنگ بھی ہیں اور بہتے خون کے رنگ بھی، احساس اور مروت کے شفاف رنگ بھی ہیں اور بے حسی اور خود غرضی کے سیاہ رنگ بھی، تنہائی کے رنگ بھی اور اجتماعیت کے رنگ بھی، ٹھنڈی دوپہر کے رنگ بھی ہیں اور نخبستہ راتوں میں جلتے گھروں کے خوفناک رنگ بھی۔ اس ہمہ رنگ شاعری میں اندیشے، وسوسے اور پریشان کردینے والے معصوم سوال بھی ہیں اور امید، رجائیت اور حوصلے کے پیغام بھی جو انسان کی ہمتوں کو کبھی مانند نہیں پڑنے دیتے کیونکہ

بندے ہیں ہم اُس کے

ہم یہ کس کا زور

امیدوں کے سورج

نکلے چاروں اور

گلزار۔

صرف ”پندرہ پانچ پچھتر“ کی نظمیں ہی نہیں بلکہ گلزار کی تمام شاعری قوس قزح کے متنوع رنگوں سے مزین ہے جس میں دل کی کسک اور تڑپ بھی موجود ہے اور سماجی و معاشرتی ناہمواریوں سے پیدا ہونے والا درد بھی جو انسان کو محض غم جاناں کا ہی اسیر بنا کر نہیں چھوڑ دیتا بلکہ اس کا تعارف غم دوراں سے بھی کرواتا ہے۔ گلزار کی یہی انفرادیت اسے معاصر شعرا میں ممتاز کرتی ہے۔۔۔۔۔ اللہ کرے زورِ بیاں اور زیادہ۔۔۔۔۔

## حوالہ جات

فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، مکتبہ کارواں، لاہور، سن ندارد

۱۔ گلزار، پندرہ پانچ پچھتر، مکتبہ دانیال، کراچی، ۲۰۱۱ء ص ۲۴

۲۔ ایضاً، ص ۲۴

۳۔ ایضاً، ص ۹۱

۴۔ ایضاً، ص ۷۵



**ISSN Online : 2709-4030**  
**ISSN Print : 2709-4022**

*Vol 4 No.4 2020*

۵۔ ایضاً، ص ۲۳

۶۔ ایضاً، ص ۲۵

۷۔ ایضاً، ص ۳۱

۸۔ ایضاً، ص ۳۶

۹۔ ایضاً، ص ۳۴

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۲